خطوط نبویؐ کی اصلیت پر مستشرقین کے اعتراضات۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

* ڈاکٹر محمد اکرم رانا

برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم جن فرزاندانِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین متین کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کا نام ایک سند کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ ان میں ایک نہایت ہی محترم نام ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ مرحوم کا بھی ہے، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ عالم اسلام کے اُن گنے چنے محققین میں سے تھے، جنہیں مغرب کی کم وبیش دس بارہ زبانوں میں عبور حاصل تھا۔ آپ نے اعلیٰ تعلیم، جرمنی اور فرانس کی جامعات سے حاصل کی تھی، ان کے پی ایچ ڈی سطح کے مقالات، فرانسیسی اور جرمن زبان میں لکھے گئے تھے۔ حیدر آباد کے بعد آپ کا مستقل قیام چالیس برس تک پیرس میں ہی رہا اور فرانسیسی زبان میں قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ و سیرت اور دیگر بے شمار موضوعات پر آپ کے تحقیقی مقالات و نگارشات شائع ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحب مؤتمر مستشرقین عالم کی کانفرنسوں میں اکثر و بیشتر شریک ہوتے رہے، اور اُن کی روداد یں بھی قلم بند کیں جو ماہنامہ ''معارفِ اعظم گڑھ''(۱) میں شائع ہوئیں، آپ نے مستشرقین سے براہِ راست استفادہ بھی کیا اور ان کے منہج و اسلوب سے گہری واقفیت بھی حاصل کی، مستشرقین کے علمی و تحقیقی کام کے معترف بھی رہے، اور اُن کی تحقیقی فروگذاشتوں، تسامحات اور اعتراضات پر اُن کا نام لے کر اور کبھی اشارے کنایئے سے اصلاح کی، اور اُن کی غلط فہمیوں کو آشکارا کیا۔

مستشرقین کے بارے میں آپ کا عمومی رویہ یہ رہا کہ اُن پر لعن طعن نہ کی جائے، اور اُن کو برا بھلا نہ کہا جائے بلکہ انہی کے اسلوب میں اُن کی غلط فہمیوں کی اصلاح کی جائے، اور انہیں کے منہج تحقیق میں اس طرح ان کے اعتراضات کا جواب دیا جائے کہ پتہ بھی نہ چلے اور اصلاح بھی ہو جائے۔ ''دارالمصنفین''، اعظم گڑھ میں ایک سیمینار بعنوان ''اسلام اور مستشرقین'' میں شرکت اور مقالہ پڑھنے کے لیے اُن کو دعوت دی گئی، جس کے جواب میں انہوں نے ایک خط تحریر فرمایا۔ اس خط سے اُن کی مستشرقین کے بارے میں رائے کا اظہار ہوتا ہے۔ خط کے مندرجات یہ ہیں:

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

''ابھی ابھی شام کی ڈاک میں نوازش نامہ ملا، اور سرفراز کیا، چالیس، پینتالیس سال ہو گئے، آپ سے دارالمصنفین میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، اور آپ کی نوازش اور مہمان نوازی بھولی نہیں، تب کی ملنساری ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ہر وقت کی ہے۔ و فقکم اللّٰہ وعا فاکم ۔

آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر، لیکن مستشرقین کی شکایت کے ارادے سے اس ناچیز کو بالکل اتفاق نہیں، اگر محترم علی میاں نے مجھ سے اس پر پیشگی گفتگو کی ہوتی تو میں ادب سے عرض کرتا کہ ایسا نہ کریں! ان میں سے ہر فرو پیشہ ور عناد اور دشمنی نہیں رکھتا اور جو اکا دکا رکھتا ہے، وہ اس طرح کی کانفرنسوں اور شکایت ناموں سے شدید دشمنی دکھانے لگتا ہے (جیسا کہ کچھ دنوں سے یہاں نظر آ رہا ہے) ہم اپنے بچوں کو انہی کے ہاں بھیجتے ہیں اور ان کے پرزہ کاغذ (ڈاکٹری کی سند) پر اتراتے ہیں، پھر انہی کی شکایت کریں؟ اخلاق تو اس کی اجازت نہیں دیتے؟ وہ مسلمان نہیں ہیں ان سے توقع کرنا کہ وہ سو فیصد ہماری باتوں کی داد دیں یہ عبث ہے ان کے دین اور ان کی دنیا کے متعلق کیا ہم بھی مبالغہ آمیز شکایتیں، اور تنقیدیں نہیں کرتے؟

میرا اپنا تاثر یہ ہے کہ وہ عام طور پر عمداً اسلامی چیزوں پر اعتراض نہیں کرتے، وہ مخلص ہوتے ہیں یعنی اپنے علم اور اپنی فہم کے مطابق تاثر لیتے اور بتاتے ہیں اور گالی گلوچ کے ساتھ نہیں، خالص علمی انداز میں ان کو ان کی غلطیاں بتائیں تو عام طور پر فوراً مان لیتے ہیں، ایک تجربہ عرض کرتا ہوں، شاخت آنجہانی سے آپ ناواقف نہیں، ایک مرتبہ انقرہ میں امام سرخسی کا جشن منایا گیا، پہلے شاخت صاحب کی تقریر تھی، پھر میری باری آئی، انہوں نے اپنی رائے بیان کی، اس سے پیشگی واقف ہوئے بغیر میں نے ان چیزوں کی تردید کی، جشن کے صدر نے بعد میں مجھ سے بیان کیا کہ شاخت نے اپنی پڑھی ہوئی تقریر واپس مانگ لی، اور بہت سی ترمیموں کے بعد دی، کہ آپ اسے چھاپ سکتے ہیں، یہی تجربہ مجھے اٹلی کے سب سے بڑے مستشرق ''لیوی دلا ویدا'' سے رہا۔ جزیہ اور ذمیوں سے دگنی چگنی کی وجہ سے میری بحث پڑھ کر مجھے خط لکھا، کہ تمہاری ان دلیلوں پر تو کوئی یہودی ربی بھی زبان نہیں کھول سکے گا۔

غرض اس ناچیز کی رائے میں ان کی چیزوں کو کھلے دل سے پڑھ کر ان کی غلط فہمیوں کو خالص علمی انداز

میں دور کریں ہو سکے تو ان کا نام بھی نہ لے کر، زیر بحث مسئلہ کو اس طرح پیش کریں کہ اعتراض خود ہی دور ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز محنت چاہتی ہے، تو زیادہ صحیح اور مفید ہوگا۔'' (۱)

تاہم مستشرقین کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا موقف بڑا صاف اور واضح ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک طرف تو ہمارے یورپی مؤلف ہیں۔ ان کے نزدیک دُنیا کی کوئی اچھی چیز کسی مشرقی سے ممکن ہی نہیں۔ ان کا بیان ہے بلکہ ادعا ہے کہ اسلامی فقہ صرف قانون روما کی معرب شکل ہے اور وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔'' (۲)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب ''امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی'' کے ایک حاشیے میں گولڈ زیہر کی علمی غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

''گولڈ زیہر کو دھوکہ ہوا ہے اور العامری محمد بن عبدالرحمٰن مشہور ابن ابی ذئب کو سب سے قدیم مؤطا نویس قرار دیا۔ حتی کہ ان کی وفات سے بھی سہو سے ۱۳۰ھ لکھ دی ان کی وفات اصل میں ۱۵۹ھ میں ہوئی یہ غلطی تحقیق مزید نہ کرنے سے گولڈ زیہر کے حوالے سے بروکلمان نے بھی تاریخ ادبیات عربی میں دہرا دی۔ ان دونوں نے زرقانی کا حوالہ دیا ہے لیکن زرقانی نے ابن ابی ذئب کی جگہ ابن الماجشون کو تقدم عطا کیا ہے۔'' (۳)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا مستشرقین کے حوالے سے مطالعہ بہت گہرا تھا۔ انہوں نے ''مؤتمر مستشرقین'' ہند کے اجلاس حیدرآباد ۱۹۴۱ء میں بزبان انگریزی ''رومی قانون کا اثر اسلامی قانون پر'' ایک مقالہ پڑھا جس کے لیے انہوں نے فرانسیسی مصنف بوسکے، اطالوی مؤلف نالینو (Nalino) انگریزی مصنفین، ولسن (Wilson) اور شیلڈن آموس، لاطینی مؤلف گایوس کا خصوصی مطالعہ کیا (۴) اس طرح ''شہری مملکتِ مکہ'' پر آپ کا مقالہ ایک پرمغز مقالہ ہے اس میں آپ نے لامنز (Lammens) پروفیسر ہیالڈے، جاوٹ (Jowett) ولہاؤزن (Welhausen) اور اسپرنگر (Springer) وغیرہ کے حوالے دیئے اور جہاں جہاں ضرورت ہوئی ان کی اصلاح کی۔ (۵)

آپ نے فرنگی محققین کی بعض باتوں پر تعجب کا اظہار کیا ہے کیونکہ ان کی باتیں ہی کچھ نرالی ہوتی تھیں مثلاً ایک

فرانسیسی مستشرق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان کا یہ مؤقف کہ بحیرہ نے سارے کا سارا قرآن مجید، محمد عربی ﷺ کو لکھوادیا تھا کتنا تصوراتی اور خیالی ہے۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں۔

" It is amusing to see the flight of imagination of the French orientalist Carra de veaux, who has written a whole book " On Bahira the author of the Quran". Can a boy of nine years learn by heart in a few mintues the 114 chapters of the Quran, and a generation later communicate them to his people as "Divine message?." (6)

پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے منہج واسلوب تحقیق پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میری نگاہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مسلمانوں میں پہلے اور آخری مستشرق (Orientalist) تھے۔ مستشرق میں ان کو اس لیے کہہ رہا ہوں کہ انہوں نے مستشرقین کے طریق تحقیق (Methodology) پر ایسی قدرت حاصل کر لی تھی جیسی غزالی نے یونانی فلسفہ پر، ان کے اصل ماخذ قرآن وسنت اور مسلمانوں کے معتبر اہل علم کی تصانیف تھیں۔ انہوں نے اسلام کو جیسا کہ وہ ہے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ البتہ تحقیق وتصنیف، تلاش وجستجو، نقد واحتساب کے ان تمام ذرائع کو کامیابی وقدرت کے ساتھ استعمال کیا جو مستشرقین کا طرۂ امتیاز سمجھے جاتے ہیں اور اس طرح علمی میدان میں اہل مغرب کا جو قرض مسلمانوں پر تھا اسے فرض کفایہ کے انداز میں ڈاکٹر صاحب نے چکا دیا اور ساتھ ساتھ وہ کیا جسے انگریزی محاورے میں Paying in the same coin کہا جاتا ہے۔'' (۷)

سیرت اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حضور پاک ﷺ کی سیاسی زندگی، آپ کے غزوات، سفر ہجرت، خطوط اور وثائق کی

تلاش وترتیب میں جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔انہوں نے مستشرقین کے اعتراضات کے ایک ایک کر کے جوابات دیئے۔ جواب میں انہوں نے جس تحمل و بردباری کا مظاہرہ کیا ان کی ذیل میں ہم نے اس طرح وضاحت کردی ہے کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔

دریافت شدہ خطوط نبویؐ کی اصلیت پر مستشرقین کے اعتراضات اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

حیات محمدؐ کا یہ بھی ایک امتیازی پہلو ہے کہ آپ کی سیرت کا نہ صرف ایک ایک گوشہ محفوظ ہے بلکہ آج سے کئی صدیاں پہلے آپ نے مختلف سربراہان کے نام جو دعوتی خطوط ارسال فرمائے تھے ان میں سے بھی کئی خط اپنی اصل حالت میں دریافت ہو چکے ہیں۔جن میں مکتوب گرامی بنام نجاشی، بنام ہرقل، بنام مقوقس، بنام منذر بن ساوی، بنام کسریٰ وغیرہ۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی تحقیقات سیرت میں خطوط نبوی پر جامع تحقیقات پیش کی ہیں، اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف ''خطوط نبویؐ کی چھ اصلیں'' تالیف فرمائیں۔ڈاکٹر صاحب نے خطوط نبویؐ کی اصلیت پر مستشرقین خصوصاً ڈنلاپ، موسیورے نو، ڈاکٹر بیکر، کتانی، موسیو وائٹ، نولڈیکے، فشر وغیرہ کے اعتراضات کے مسکت جواب دیئے ہیں اور ان دریافت شدہ مکاتیب نبوی کو اصل قرار دیا ہے۔

ذیل میں مستشرقین کے اعتراضات اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات پیش خدمت ہیں۔

ڈنلاپ کے اعتراضات

ڈنلاپ ایک مستشرق ہے۔وہ سکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا۔انہوں نے ایک مکتوب بنام نجاشی کو دمشق کے ایک خانگی فرد سے حاصل کیا۔جسے اس فرد نے دمشق میں ۱۹۳۸ء میں حبشہ کے ایک پادری سے خریدا تھا۔اس نامہ مبارک کی روشنائی کھجور کے رنگ کی طرح سرخ تھی۔ڈنلاپ نے اس خط کو انگلستان میں برٹش میوزیم کے مسٹر بل(Bell) اور مسٹر فلٹن(Filtton) کو دکھایا، اس کے علاوہ مشہور مستشرق پروفیسر مارگولیتھ(Margoliouth) اور گلاسگو کے مسٹر رابسن (Robson) نے بھی دیکھا اور جانچا۔اس خط کو واپس دمشق میں اصل شخص کو پہنچا دیا گیا تھا۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو اس خط کی کاپی بھجوائی گئی تھی کیونکہ انہوں نے ڈنلاپ کو بذریعہ مارگولیتھ ایک خط لکھا تھا جس کے جواب میں یہ عکس انہیں حیدرآباد بھیجا گیا تھا۔مسٹر ڈنلاپ نے اس خط کے جعلی ہونے کی رائے دی۔سات دلیلیں لندن کے

رسالہ۔ جے۔ آر۔ ای۔ ایس میں شائع کرائیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان دلیلوں کے جوابات بھی اسی رسالے میں شائع کرائے اور انہیں اپنی مشہور زمانہ کتاب ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' میں بھی شائع کرایا۔

ڈنلاپ کے دلائل

① پیغمبر اسلام نے خطوط بھیجے ہی نہیں کیونکہ آپ اپنے کو عالمگیر نبی نہیں سمجھتے تھے بلکہ صرف عرب کی اصلاح چاہتے تھے۔ اصل میں بعد کے زمانے میں جب عیسائی مسلمان ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام دُنیا میں اپنے حواری تبلیغ کے لیے بھیجے تھے تو مسلمانوں نے بھی اپنے نبی کی عزت کسی سے گھٹی ہوئی نظر نہ آنے کے لیے یہ قصہ گھڑ لیا۔

② مقوقس (شاہ مصر) اور منذر ابن ساوی (حاکم بحرین) کے نام جو اصل مکتوبات نبوی ﷺ دستیاب ہوئے تھے، ان کے متعلق نولڈیکے (Noldeke) اور شوالی (Schwalli) نے جعلی ہونے کی رائے دی تھی۔

③ برٹش میوزیم کے ماہرین نے موجودہ جھلی کو جعلی قرار دیا۔

④ سیرۃ ابن ہشام میں جہاں مکتوبات نبویہ کے بھیجے جانے کا ذکر ہے وہاں شروع میں ابن اسحٰق کا نام نہیں ہے۔ (گویا یہ روایت ابن ہشام کی یا ان کے زمانے کی پیداوار ہے)

⑤ قرآن مجید کے جو پرانے نسخے ملتے ہیں ان کے خط سے اس مکتوب کا خط کافی مختلف ہے۔

⑥ آج کل بہت سی چیزیں پرانی کہہ کر بیچی جا رہی ہیں مگر وہ جعلی چیزیں ہیں۔

⑦ اس خط کا متن جو عربی تاریخوں میں ہے اس میں اور جھلی کی عبارت میں خاصا فرق ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

① یہ ایک بے تکا اعتراض ہے۔

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن﴾ ۔ ﴿مَا اَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَآفَّةً لِلنَّاسِ﴾

﴿هَوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بَالْهُدیٰ وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ﴾ وغیرہ قرآن مجید کی متعدد آیات بتاتی ہیں کہ رسول عربی ﷺ عالمگیر نبی تھے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان ہونے کی وجہ سے اس عالم اسباب میں آپ نے اپنی تبلیغی زندگی صرف حجاز میں گزاری۔

② ایسے اعتراضات ناواقف اور جاہل لوگوں کے ہیں اگر کچھ خطوط جعلی ہوں تو کیا یہ ضروری ہے کہ موجودہ خط بھی جعلی ہی ہو۔(۸)

③ برٹش میوزیم کے دو ماہرین نے صرف اتنا کہا کہ جھلی اتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی کہ عہد نبوی ﷺ کی ہو۔ اس قسم کے تخمینی معاملات میں ''ماہرین'' میں جتنا کثیر اور مضحکہ خیز اختلاف ہوتا ہے وہ علم آثار قدیم سے ادنی مس (تعلق) رکھنے والے بھی جانتے ہیں۔ ہم نے اصلی جھلی کو دیکھنے کا موقع نہیں پایا۔ ممکن ہے بعض دوسرے ماہر دیکھیں تو اس جھلی اور اس کی تحریر کو اتنا ہی قدیم قرار دیں۔ جتنا اس کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے راقم کے نزدیک مستشرقین تو مسلمانوں کی ہر چیز کو تعصب کی عینک سے دیکھتے ہیں۔

④ عبارت کے شروع میں ''قال ابن اسحٰق'' نہ کہنے سے کچھ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ایک تو دوران عبارت میں کئی جگہ ابن اسحٰق کا ذکر ہے اور دوسرے ابن ہشام نے آخر میں بیان کیا ہے کہ فلاں فلاں مکتوبات کا ذکر خاص میرا ہے جس کے معنی صاف یہ ہیں کہ باقی خطوط کا ذکر ابن اسحٰق ہی کے حوالے سے ہے۔

⑤ اول تو قرآن مجید کا خط خاص آرائش سے لکھا جانا چاہیے اور معمولی سرکاری مراسلے الگ دفتری خط میں دوسرے مقابلہ تو ایسی تحریروں سے ہو جو مسلم طور سے عہد نبوی یا اس کے قریبی زمانے کی ہوں نہ کہ کئی صدی بعد کی تحریروں سے۔

⑥ یہ بچگانہ اعتراف ہے۔ بازار میں تاجر بھاؤ بڑھانے کی کوئی چیز پرانی بتائے تو ہمیشہ اور سو فیصد صورتوں میں اس کا جھوٹ کہنا کیا ضروری ہے ہم کو اپنی ذاتی رائے قائم کرنی چاہیے نہ کہ دودھ سے جل چکے ہوں تو چاچھ بھی پھونک پھونک کر ہی پئیں۔

⑦ یہ دلیل توجہ کی مستحق ہے میری رائے یہ ہے کہ تمام اسلامی مؤرخ متفق ہیں کہ یہ خط ۶ ھ میں بھیجا گیا۔

مگر اس کے بعض جملے مثلاً میں تیرے پاس اپنے چچازاد بھائی جعفر کو بھیج رہا ہوں جس کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمان داری کر.....ایسے ہیں جن سے اس گمان کی تائید ہوتی ہے کہ یہ خط آنحضرت ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی کو ان کے ہجرت کر کے حبش جاتے وقت بغرض تعارف (تقریباً ۵ر نبوی) میں دیا ہوگا۔ بنا براں جو متن ہمارے سامنے ہے وہ اصل میں دو الگ الگ خطوں کی عبارتوں کا مرکب ہوگا۔ مکتوب ثانی بے شک ۶ر ھ میں بھیجا جا سکتا ہے تا کہ نجاشی کو اسلام لانے کی دعوت کی تبلیغ کرے، رہا وہ خط جس میں مہاجرین کے پہنچنے پر ان کی مہمان داری کرنے کی خواہش کی گئی ہے۔ ۶ر ھ کے اواخر میں کسی طرح نہیں لکھا جا سکتا کیونکہ مہاجرین کو حبشہ پہنچ کر تب کوئی چودہ سال گذر چکے تھے اور اس وقت تو وہ وہاں سے مدینہ واپسی کی تیاری کر رہے تھے۔ (۹)

رہا تاریخوں میں درج متن سے اختلاف اس کی وجہ سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ روایت باللفظ کی طرح روایت بالمعنی کا عربوں میں رواج رہا اور جتنا بھی اختلاف تاریخوں کے متن اور جھلی کے متن میں ملتا ہے۔ وہ صرف ایک ہی مفہوم کو دوسرے مترادف الفاظ میں ظاہر کرنے پر مشتمل ہے اور بس خود مسٹر ڈنلاپ نے تسلیم کیا ہے اگر ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں ایک جگہ جو نامکمل اقتباس دیا ہے اس کی جگہ پورا متن دیا ہوتا تو جھلی کی عبارت سے سو فیصد متفق ہوتا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی مزید وضاحتیں

موجودہ خط کی مہر سابق میں دستیاب شدہ مکتوبات پر کی مہر کے بالکل مطابق ہے۔ اس کی اہمیت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے۔ چونکہ سابقہ مکتوب اور موجودہ مکتوب کی تحریر مختلف ہے اس لیے اس کا بھی اب امکان نہ رہا کہ دونوں کو ایک ہی شخص کا جعل قرار دیا جائے ان دونوں کی دستیابی کے مقامات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

جھلی کی عبارت کا رسم الخط خاص اہمیت رکھتا ہے چنانچہ ''فاقبلو'' کی جگہ بغیر الف کے ''فاقبلو'' لکھا گیا ہے نیز ''اتبع'' کی جگہ (ت) کے دو شوشے ''تتبع'' ہیں اگر مسٹر ڈنلاپ کی رائے کے مطابق اسے صرف ۷۰ یا ۸۰ سال کی جعلی تحریر سمجھیں تو ان خصوصیات کی توجیہ ناممکن ہے اس طرح کے لکھنے کا رواج عہد نبوی ﷺ میں رہا ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے اور حالیہ زمانے میں کوئی اسے لکھے تو یہ غلطی سمجھا جاتا ہے۔

خط میں نقطے اور اعراب بالکل نہیں ہیں حالانکہ نقطوں وغیرہ کا رواج پہلی صدی ہجری ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جھلی نقطوں اور اعراب کی ایجاد سے قبل کی ہے۔ الفاظ کے ٹکڑے کر کے آدھا لفظ ایک سطر میں اور باقی دوسری سطر میں لکھنا مثلاً رسول، الیہ/ک وغیرہ میں صرف قدیم زمانے میں رائج تھا اور آج کل اس کا رواج نہیں ہے۔ مقوقس اور منذر بن ساوی کے اصل مکتوباتِ نبوی ﷺ میں بھی یہی چیز ملتی ہے۔ خط جس جگہ سے اور جن حالات میں دستیاب ہوا ہے وہ بھی ہر طرح شبے سے پاک ہے اس کو وہیں ہونا بھی چاہیے تھا حبشی اطالوی جنگ میں مفلس مفروروں کا اسے لا کر کسی کے ہاتھوں میں بیچ دینا ہر طرح معقول سمجھا جا سکتا ہے۔ (۱۰)

موسیورے نو، کے اعتراضات

مشہور فرانسیسی مستشرق موسیورے نو نے پیرس کے سہ ماہی رسالے ژورنال آزیاتیک ''۱۹۵۴ء ج ۴ میں ایک خط شائع کرایا جو اس کے نام قاہرہ سے موسیو بے لین (Belin) نے ۱۰/ مارچ ۱۸۵۲ء میں لکھا تھا۔ یہ خط تقریباً بیس صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس کے ضروری اقتباسات ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اپنی کتاب ''رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' کے صفحات ۱۳۵ تا ۱۳۸ درج کیے ہیں۔ اس خط کا تذکرہ جرجی زیدان کے رسالہ الہلال (مصر) نے نومبر ۱۹۰۴ء کے پرچے کے صفحہ ۱۰۴ پر کیا مگر یہ لکھا کہ:

> ''اس دریافت کا علمی کتابوں میں مطلق کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ مستشرقین اس کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔''

لیکن آکسفورڈ کے پروفیسر مارگولیتھ (Mergoliouth) نے جب ان کی توجہ دلائی کہ اس خط کو شائع کیا جا چکا ہے تو مجبوراً انہوں نے الہلال کے دسمبر والے شمارے میں اس بات کو تسلیم کر لیا۔

اس خط میں جو بڑا اعتراض ہے وہ یہی ہے کہ اس خط کی تحریر اتنی قدیم نہیں معلوم ہوتی بلکہ کافی عرصہ بعد کی ہے۔ اس بات کا تذکرہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لفظ مقوقس) سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا جواب

اگر چہ راقم ڈاکٹر صاحب کا جواب اوپر نقل کر چکا ہے تاہم بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ موسیو بے لین (Belin) نے اس خط کی تحریر پر کوئی رائے زنی نہیں کی۔ لہذا اعتراض کی وقعت ختم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر بیکرز (Beckers) کا تبصرہ

ڈاکٹر بیکرز جرمنی کے رہنے والے ہیں وہ وزیر تعلیم بھی رہ چکے تھے انہوں نے اپنی کتاب میں اس مکتوب نبوی ﷺ کو جعلی قرار دیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں۔

''غالباً وہ حدیث کی کسی یادداشت (یا کتاب) کا ورق ہوگا۔''

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا جواب

موصوف نے اس خط کے شائع شدہ فوٹو کو دیکھنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی۔ میں نہیں سمجھتا کہ حدیث کی کتابوں یا بیاضوں میں جہاں یہ خط نقل ہوسکتا ہے، نقل نویس خط کے آخر مہر کی بھی ہو بہو نقل اتارنے کی کوشش کرے گا۔ مہر کی جگہ یا تو توضیح ہوگی کہ مہر میں فلاں الفاظ تھے یا زیادہ سے زیادہ ایک سادہ دائرہ بنا کر مہر کے الفاظ کی نقل اس میں لکھی جائے گی۔ اس کے برخلاف شائع شدہ خط کے متعلق بیانات سے اور خود ہر دو فوٹوؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مہر کی کچھ اس طرح کی ہے کہ اسے صرف نقل نویس یا کاتب کے قلم سے بنی ہوئی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (۱۱)

کتانی (Cattani) کے اعتراضات

کتانی نے اپنی کتاب Annali dell Islam میں یہ اعتراضات کیے ہیں:

① اسلامی تاریخی بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دو عیسائی لونڈیاں بھیجیں۔ مقوقس اسکندریہ کا بطریرک (پادری) تھا اور یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کا کوئی پادری عرب کے کسی ''بے دین'' کو دو عیسائی لونڈیاں تحفہ دے۔

② مقوقس کا نام بعد کے اسلامی مورخ کچھ اور بیان کرتے ہیں اور عہدِ نبوی ﷺ کے مقوقس کا نام حقیقت میں کچھ اور تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

① اس وقت اسکندریہ کے بطریرک کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اس سے زیادہ کچھ بھی معلوم نہ تھا جتنا اسے مکتوب نبوی ﷺ میں لکھا ہوا ملا یا جو اسے مسلمان سفیر نے بیان کیا۔

مقوقس مانوفزائٹ (Monophysite) فرقے کا عیسائی تھا اور باور کرتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں دو نہیں صرف ایک طبیعت تھی۔ ان حالات میں وحدانیت کی تعلیم دینے والے عربی نبی کو اگر مقوقس ایک نئے فرقے کا ہی بانی خیال کرتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں!

رہا ماریہ اور شیریں کا معاملہ تو اس کا منشاء سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ نبی عربی کو فرقہ طبیعت واحدہ کا راسخ العقیدہ عیسائی بنا لینے میں ان لونڈیوں سے کام لے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مزید لکھتے ہیں کہ:

> ''عیسائی عورتوں کا غیر عیسائیوں میں سیاسی اغراض اور تبلیغ عیسائیت کے لیے بھیجا جانا نہ صرف ایک عام روزمرہ کا واقعہ ہے بلکہ نہایت قدیم بھی۔ صلیبی لڑائیوں کے دوران یہ ایک مقدس اور ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا پوپوں نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ یورپ کی خوبصورت عورتیں مسلمان مجاہدوں کو اپنے پر فریفتہ کرنے کی کوشش کریں۔'' یوں عیسائیت کی خدمت کریں۔'' (۱۲)

دوسرا اعتراض کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ یہ صحیح ہے کہ عہد نبوی ﷺ کے مقوقس کا نام بنیامن تھا۔ بنیامن کو خسرو پرویز نے فتح مصر کے بعد اسکندریہ کا پادری بنایا تھا اور یہ خبطی شخص تھا دس سال بعد جب قیصر روم نے ایرانیوں کو مصر سے نکالا تو قبطی صدر بھی ڈر کے مارے بھاگ گیا اس وقت قیروس نامی سپہ سالار گورنر تھا اگر مسلمان مؤرخ ان ناموں میں غلطی کریں یا خلط ملط کریں یا ایک زمانے کے پادری کو دوسرے پادری کے زمانے میں بیان کریں اس سے ان بیانات کو تو غلط قرار دیا جا سکتا ہے مگر مکتوب نبوی ﷺ کو اس بنا پر جعلی قرار دینا کسی اور دلیل کا محتاج ہے۔ (۱۳)

موسیو وائٹ(Wiet) کے اعتراضات

موسیو وائٹ یہودی النسل مستشرق ہیں۔ پیرس کے مدرسہ السنہ مشرقیہ میں عربی کے مدرس تھے۔ان کے دو اعتراضات ہیں۔

① مکتوب نبوی بنام مقوقس کی عبارت مکتوب الیہ کے نام کو چھوڑ کر لفظ بہ لفظ وہی ہے جو مکتوبات نبوی بنام نجاشی و قیصر روم کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں خط فرضی ہیں۔

② مقوقس کا یہ خط سلمان عبدالمجید خاں اول کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا اور وہ استنبول میں آثار نبویہ کے ساتھ رکھا گیا لیکن مصر میں آج بھی ایک صاحب کے ہاں کہتے ہیں کہ یہ خط موجود ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

① پہلے اعتراض کے متعلق کسی حیرت کی ضرورت نہیں یہ تینوں خط عرب مورخوں کے بیان کے مطابق ایک ہی دن لکھے گئے تھے۔تینوں کا مقصد بھی ایک ہی تھا۔اور تینوں عیسائی حکمرانوں کے نام تھے۔کوئی تعجب نہیں جو کاتب بھی ایک ہی رہا ہو ان حالات میں یہ بالکل معمولی بات ہے کہ تینوں کی عبارت ایک ہی ہو

② دوسرا اعتراض محض سنی سنائی بات پر مبنی ہے انہیں وہ خط دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ میں نے بھی بہت کوشش کی۔ موقع نہ ملا ورنہ میری تلاش شاید اس اعتراض کے متعلق کوئی تفصیلی معلومات فراہم کرتی۔

نولڈیکے(Noldeke) کے اعتراضات

① اس زمانے میں دستاویز لکھنے کا خط غالباً اتنا زیادہ کوئی نہ ہوگا۔

② اس زمانے میں لوگ دستخط کے لیے سیاہی سے مہر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ''طین خاتم'' یعنی ایک طرح کی چکنی مٹی چمٹنے والی پر مہر دباتے تھے۔

③ اس قسم کی تحریروں میں کاتب کا نام ہونا چاہیے بلکہ خط لے جانے والے سفیر کا نام بھی ہونا چاہیے۔(۱۴)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

① اس مکتوب نبوی کا صحیح فوٹو تو نہیں ملا اور نہ ہی عہد نبوی کی کوئی اور مسلمہ تحریر ہمارے پاس ہے کہ اس سے طرز تحریر کا مقابلہ کیا جاسکے یہ ایسا جواب ہے جس پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔

② نولڈیکے نے ایک تو اپنے دعوی کے ثبوت میں کوئی حوالہ نہیں دیا ''طین خاتم'' کا ذکر عربی ادبیات میں ملتا ہے لیکن یہ مٹی خط کے اوپر لپٹے ہوئے کاغذ یعنی لفافے پر لگائی جاتی تھی جس طرح آج کل لاک لگائی جاتی ہے۔

جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر مولانا سید ابراہیم کے ریمارک بھی قابل ذکر ہیں ''مٹی پر مہر لفافے کے اوپر لگائی جانی چاہیے کہ لفافہ کوئی کھول نہ لے اصل خط پر تحریر کے آخر میں جو مہر کی جاتی ہے اس کا سیاہی سے ہونا ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

③ ابن عبدالبر (استیعاب) کا بیان قابل غور ہے وہ لکھتے ہیں کہ عہد نبوی میں ابتداً خط کے آخر میں کاتب کا نام نہیں ہوتا تھا۔

خط بنام المنذر بن ساوی اور فشر (Fiesicher) کے اعتراضات

فشر کے نزدیک یہ خط جعلی ہے کیونکہ:

① المنذر بن ساوی کے نام آنحضرت ﷺ کے خط بھیجنے کا ذکر تو ملتا ہے لیکن خط کی عبارت کہیں نہیں ملتی۔

② پیش نظر فوٹو میں مرسل اور مرسل الیہ کا نام تو صاف ملتا ہے لیکن اس سے آگے جعلساز نے عربی نما شکلیں بنا دیں ہیں۔

③ ان بے معنی شکلوں میں کہیں کہیں عربی الفاظ پڑھے جاتے ہیں لیکن ان میں املاء کی ایسی غلطیاں ہیں کہ کسی عرب کاتب کی جانب منسوب نہیں کی جاسکتیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے جوابات

① پہلا اعتراض محض لاعلمی کا نتیجہ ہے منذر کے نام ایک نہیں بلکہ نصف درجن سے بھی زائد خط لکھے گئے کیونکہ منذر مسلمان ہو چکے تھے اور ایک اہم صوبے کے گورنری کے اختیارات ان کو سپرد کیے گئے تھے۔ اس گورنر کو لکھے گئے خط میں صرف ایک جگہ خفیف سا فرق ہے جب کہ معنوں میں کوئی فرق نہیں یہ کاتب کے ذہن کا سہو ہوسکتا ہے۔

② فشر خود یہ خط نہ پڑھ سکا اس لیے اسے ناقابل فہم قرار دے دیا۔

③ تیسرا اعتراض بے معنی ہے چودہ سو سال پہلے لکھے ہوئے خط میں اگر کہیں سے سیاہی اڑ گئی ہے یا اس کے دھبے پھیل گئے ہیں یا ٹریس لینے والے سے شکلیں بگڑ گئی ہیں تو عہد نبوی ﷺ کے کاتب کا کیا قصور؟

مزید یہ کہ فشر کے مطابق اس مکتوب کو ۱۸۶۲ء میں دمشق سے ایک اطالوی نے اڑایا تھا مگر ۱۹۱۷ء میں خواجہ کمال الدین نے دمشق میں یہ خط اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا نیز اس طرح کا خط سلطان صلاح الدین کے رشتہ داروں کے ہاں موجود تھا۔

مکتوب مقوقس اور مکتوب منذر دونوں کی مہر باوجود نقل کرنے والوں کے فرق کے یکساں ہے جو کافی اہم شہادت ہے۔(۱۵)

مستشرقین کا وحی کے بارے میں اعتراض

مستشرقین نے وحی کے حوالے سے بھی تفصیلی گفتگو کی ہے بعض اسے مرگی کی بیماری کے مشابہ قرار دیتے ہیں مثلاً مشہور جرمن مستشرق اسپرنگر کہتا ہے کہ ''یہ ایک بیماری ہے۔'' نزول وحی کے متعلق عربی کتابوں میں جو روایات اور بیانات ہیں کہ جب وحی آتی تو رسول اللہ کا چہرہ سرخ ہو جاتا، آپ پسینے پسینے ہو جاتے اور سکتے کا عالم طاری ہو جاتا تو اسپرنگر کہتا ہے کہ یہ علامات مرگی کی بیماری کی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس پر اپنا اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''اسپرنگر نے وحی کے بارے میں اور وحی کی کیفیت سے متعلق ساری معلومات جمع نہیں کیں،
بلکہ صرف چند چیزیں لیں اور ان کی اساس پر کہا کہ یہ فلاں بیماری کی علامات ہیں۔''

میرے خیال میں یہ صحیح علمی اور دیانت دارانہ طریقہ نہیں ہوسکتا چنانچہ میں نے وہ حدیثیں جمع کی ہیں جن میں وحی کے نزول کے وقت کا مشاہدہ مختلف صحابیوں سے مروی ہے۔ ایسی حدیثیں جو میں نے جمع کیں ان میں ایک بات غیر معمولی ہے جس کی طرف اسپرنگر نے اشارہ تک نہیں کیا چہ جائیکہ اس کی توجیہ یا اس سے استدلال کی کوشش کرتا وہ یہ ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تو وہ تمام صحابہ جن کو اس کا مشاہدہ ہوا تھا کہتے ہیں کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ اتنے بوجھل ہو جاتے کہ اس بوجھ کا تحمل تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر آپ کسی اونٹنی پر سوار ہوتے اور اس وقت وحی نازل ہونے لگتی تو اونٹنی آپ کے بوجھ کو برداشت نہ کرسکتی اور مجبور ہو جاتی کہ بیٹھ جائے۔ اگر وہ بیٹھنا نہ چاہتی یا بیٹھ نہ سکتی تو اس کے پاؤں سیدھے ہو جاتے اور اکڑنے لگتے۔ علی ہذا القیاس اسپرنگر نے کسی بات کی توضیح نہیں کی۔ دوسری طرف مرگی کا مرض (بیمار) تشنج کی حالت میں ہوتا ہے ہاتھ پاؤں مارتا ہے بے قرار ہوتا ہے اس کی زبان سے کچھ آوازیں نکلتی ہیں۔ لیکن وہ بالکل ناقابل فہم ہوتی ہیں۔ وہ کچھ کہتا ضرور ہے لیکن سمجھ کچھ نہیں آتا۔

ان حالات میں غور کریں تو کوئی ایسا واقعہ آپ ﷺ کی زندگی سے متعلق موجود نہیں ہے لہذا مرگی کا انتساب حضور ﷺ کی جانب درست نہیں بلکہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے جو آوازیں نکلتی وہ قابل فہم ہوتیں اور اکثر تو وہ آپ کے ذہن پر نقش ہوتیں اور آپ کو یاد ہوتیں۔ آپ صحابہؓ کو فوراً سنا دیتے۔ مغربی مؤرخوں نے ایک اور اعتراض اس سلسلے میں یہ کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ لیٹ جاتے اور آپ ﷺ کے چہرے کو ڈھانپ دیا جاتا جیسا کہ پرانے کاہنوں کی عادت تھی (۱۶) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس بارے میں مکمل تحقیق کی۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں سے واقعہ درج کیا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ پر بہتان طرازی کی جارہی تھی تو ان دنوں آپ ﷺ جب کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر میں موجود تھے آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو ابوبکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر کپڑا ڈال دیا۔

''مبادا کہ رسول اللہؐ کی حالت دیکھ کر ہم کہیں ہنس پڑیں اور ان پر بے ادبی سے نظر نہ پڑ جائے۔''

ایک اور واقعہ جو اس سے ملتا جلتا ہے کہ ایک صحابی آپ کو وحی کی کیفیت میں دیکھنے کی بڑی آرزو کرتے تھے حضرت عمرؓ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر یہ موقع فراہم کر دیا۔ اس وقت آپ پردے کی اوٹ میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے پردے کو ذرا کھینچ کر کہا کہ ''اندر دیکھو لو'' صحابی کہتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور سانس قدرے زور سے آ رہی تھی، پھر پردہ کھینچ لیا گیا۔ ہم بیٹھے رہے۔ جب وحی کی کیفیت ختم ہو گئی تو آپ ہم میں موجود تھے ان دو واقعات کے علاوہ کسی روایت میں ایسی تفصیل نہیں ملتی جو کاہنوں کی حالت اور اس طرح کی چیزوں سے مشابہت رکھتی ہو۔ (۱۷)

علم حدیث اور مستشرقین

مستشرقین کے جواب میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے علم حدیث میں ایک خاص انداز سے کام کیا ہے۔ عام طور پر مستشرقین کا یہ نظریہ ہے کہ علم حدیث تاریخی اعتبار سے مستند نہیں ہے اس لیے کہ علم حدیث کے بیشتر متداول مجموعے تیسری صدی میں مرتب ہوئے اس وجہ سے مستشرقین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ چونکہ تین چار سو سال بعد یہ چیزیں لکھی گئی ہیں لہذا سہو اور نسیان کا امکان ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ان اولین شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے اس موضوع کا علمی جواب دینے کا فیصلہ کیا اور پوری تحقیق سے یہ ثابت کیا کہ صحابہ کرام اور خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں حدیث کی تحریر و تسوید اور تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا دور تابعین میں اس کام میں بڑی وسعت پیدا ہوئی۔ حدیث کے جتنے بھی مجموعے ہیں وہ سند متصل رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے ۱۹۴۳ء۔ ۱۹۴۲ء میں صحیح بخاری کے مآخذ پر کام شروع کیا اور ابتدائی طور پر انہوں نے پتہ چلایا کہ صحیح بخاری کے مآخذ میں ایک اہم مآخذ مصنف عبدالرزاق کا ہے اس کا جائزہ لیا گیا پھر انہوں نے بتایا کہ عبدالرزاق کا ذخیرہ پہلے جمع ہو چکا تھا تاہم شائع نہ ہو سکا جو اب شائع ہو چکا ہے اور مصنف عبدالرزاق کے نام سے ہر جگہ ملتا ہے۔ امام عبدالرزاق کے مآخذ میں معمر بن راشد کا نام آتا ہے۔ ان کا ذخیرہ بھی اس وقت نہیں چھپا تھا لیکن اب چھپ چکا ہے اور ''جامع معمر'' کے نام سے ملتا ہے اس طرح ذخیرے کے توسط سے تابعین تک علم حدیث کی سند مل گئی۔

معمر بن راشد کے دو مآخذ تھے ایک عبداللہ بن عمرو بن العاص۔کون نہیں جانتا کہ ان کا صحیفہ صادقہ جس میں پانچ سو احادیث تھیں حضور ﷺ کے زمانہ میں مرتب کر لیا گیا تھا۔ دوسرا مجموعہ حضرت ابو ہریرہؓ کے تلامذۃ بالخصوص ہمام بن منبہ کا مرتب کردہ تھا اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں جو صحیفہ صادقہ تیار ہوا، اس سے فائدہ اٹھایا معمر بن راشد نے ،ان سے یہ ذخیرہ منتقل ہوا عبدالرزاق کو اور جہاں سے یہ ذخیرہ امام بخاری کو منتقل ہو گیا۔اب کون مستشرق ہے جو کہ کہے کہ علم الحدیث کو دو سو سالوں بعد مرتب کیا گیا لہذا مقبول نہیں ہے داد دینی چاہیے۔ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی تحقیق کی کہ ان کی محنتِ شاقہ رنگ لائی۔علم الحدیث کے موضوع کو اعتراضات سے محفوظ کر لیا گیا ہے۔یہ بنیادی کام ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی کوششوں کا رہین منت ہے۔ (۱۸)

تاریخ مکہ اور مستشرقین

مکہ کی تاریخ، مذہبی حیثیت، سفارتی طریقہ کار اور فوج کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ گا ہے بگا ہے لامنس (Lammens) کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ لامنس نے بھی مکہ پر آرٹیکل سپرد قلم کیا ہے اس میں فوج کے حوالے سے لامنس (Lammens) نے دلچسپ دعوے پیش کیے جن میں مکہ والوں نے حبشی غلاموں اور تنخواہ یاب نوکروں کی ایک مستقل فوج قائم کرنے کا ذکر ہے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''اس قابل مگر بدقسمتی سے بیحد متعصب اور غیر ہمدرد یسوعی (Jesuite) پادری کا منشاء اس پوری کاوش سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ قریش ایک نہایت بزدل قوم تھی جو لڑائی سے جی چراتی تھی۔لیکن چونکہ اس کے تجارتی مفادات بہت پھیلے ہوئے تھے اس لیے اپنے معاملات کی حفاظت کے لیے انہیں قوت کی ضرورت تھی۔مزید براں انہوں نے غلاموں اور تنخواہ یاب لوگوں کی ایک فوج قائمہ مکے میں تیار کر لی تھی۔'' (۱۹)

خلاصہ کلام

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیسویں صدی کے عظیم مسلم اسکالر تھے جنہوں نے علم وتحقیق کی آخری حدود کو چھوا۔انہوں نے قانون بین الممالک، قرآن مجید، حدیث نبوی اور سیرت کے حوالے سے عمدہ کام کیا۔انہوں نے مستشرقین میں رہ کر ان کی تحریروں کو پڑھا اور ان کی علمی غلطیوں کی اصلاح کی۔آپ نے کوئی جارحانہ طرز تحریر اختیار نہیں کیا بلکہ Mild طریقے سے مغربی مصنفین کو ہدف تنقید بنایا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے سیرت کے حوالے سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کو نکھار کر پیش کیا۔اس مضمون میں یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ ڈاکٹر صاحب نے جہاں جہاں یورپین کی غلطیوں کی اصلاح کی ان کا احاطہ کر دیا گیا ہے لیکن نمونہ کے طور پر ڈاکٹر صاحب کے خیالات کی ترجمانی کی ضرور کوشش کی ہے۔علم حدیث پر ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا کام بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔کسی مستشرق یا مستغرب نے حدیث پر مزید تنقید کا حوصلہ نہیں کیا۔

آخر میں ایک بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اگرچہ علیحدہ مستشرقین پر کوئی مقالہ یا کتاب سپرد قلم نہیں کی لیکن آپ نے مستشرقین کے غبارے سے ہوا نکال دی۔آپ نے ثابت کر دیا کہ رومی قانون کا اسلامی قانون پر کوئی اثر نہیں۔قرآن مجید رسولِ عربی ﷺ پر نازل ہوا تھا نہ کہ بحیرہ نے اس کو املاء کرایا تھا۔حضور ﷺ کے لکھے ہوئے خطوط اصل حالت میں موجود ہیں نقالی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔علم حدیث حضور ﷺ کے دور سے ہی تحریر ہونا شروع ہو گیا تھا نہ کہ دو سو سال بعد کی پیداوار ہے۔اس طرح ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی پوری زندگی دفاع اسلام کے لیے تحقیق وتحریر اور ترجمہ میں گزر گئی اور آپ نے تحریک استشراق کے بارے میں اپنا مؤقف واضح کر دیا۔لیکن یہ سمجھنا بھی خام خیالی ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے جوابات کے بعد مستشرقین نے اپنا کام ترک کر دیا ہے۔مستشرقین اپنی روایت اور ثقافت کے امین ہیں اس سلسلے میں وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسلامی روایات کی بیخ کنی کی کوشش کرتے ہیں۔مسلم سکالرز کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے منہج تحقیق میں اچھے انداز میں ان کے جوابات دیتے رہنا چاہیے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، مئی ۱۹۸۳ء، ج ۱۳۱، شمارہ ۵، ص ۳۸۹۔۳۹۰۔

۲۔ امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، اردو اکیڈیمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۷ء ص ۵۴۔

۳۔ ایضاً: ص ۳۹۔

۴۔ یہ مقالہ مستشرقین ہند کے اجلاس حیدر آباد ۱۹۴۱ء میں پڑھا گیا اس کا عنوان تھا ''رومی قانون کا اثر اسلامی قانون پر''

۵۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ، کراچی، ص ۱۳۔

6۔ Muhammad Rasulullah, Idara Islamiat, Lahore P.26

۷۔ ماہنامہ ''دعوۃ''، دعوۃ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، مارچ ۲۰۰۳ء، ص ۷۸۔

۸۔ تفصیلی جواب مجلّہ عثمانیہ، ج ۹، شمارہ ۳۔۴ اور اسلامک کلچر ۱۹۳۹ء میں موجود ہے۔

۹۔ اس جواب کی تفصیل ایک فرانسیسی مقالہ میں درج ہے جو ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا، اس کے علاوہ انجمن ترقی اردو کی شائع کردہ کتاب ''حبش اور اطالیہ'' کے باب عرب اور حبشہ میں موجود ہے۔

۱۰۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۲۳۔

۱۱۔ ایضاً: ص ۱۲۳۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۴۱۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۴۲۔

۱۴۔ یہ اعتراضات ان کی کتاب میں دیکھیں؟ Geschicte des Qorans, 2nd ed. P.109

۱۵۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ۱۵۰۔

۱۶۔ خطباتِ بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ص ۱۴۵۔۱۴۶۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔

۱۸۔ ماہنامہ ''دعوۃ'' مارچ ۲۰۰۳، ص ۲۷،

۱۹۔ عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۶۸۔